☆ ڈاکٹر محمد اکبر ملک

سرائیکی زبان ایک تجزیاتی مطالعہ

ابتدائیہ:

سرائیکی زبان برصغیر پاک وہند کی قدیم اور جاندار زبانوں میں سے ایک ہے۔ کسی بھی خطہ کی ترقی کا اس کی زبان کی ترقی کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے جنوبی پنجاب کو ترقی کے مواقع کم میسر آئے۔ جسکی وجہ سے یہاں ثقافتی ولسانی اقدار کو وہ مقام نہ ملا جو اسکا مقدر ہونا چاہیے تھا۔ زیر نظر مضمون میں سرائیکی زبان کی قدامت، وسعت اور صلاحیتِ ابلاغ کے حوالے سے اسکی جداگانہ اور منفرد حیثیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ نیز یہ کہ اس ضمن میں ثقافتی اقدار کی ترسیل میں اسکی اہمیت اور دیگر زبانوں کے ساتھ اس کے روابط کا جائزہ لیا گیا ہے اور جدید تحقیق کے حوالے سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ دنیا کی قدیم زبانوں کیطرح سرائیکی زبان کی جڑیں بھی قبل از مسیح ادوار میں پائی جاتی ہیں۔

تاریخی ارتقاء:

زبان قدرت کا عظیم عطیہ ہے۔ زبان سب سے بڑا ذریعہ ابلاغ اور وسیلۂ علم ہے۔ انسان نے اپنی طبعی ضروریات، خیالات، جذبات اور احساسات کی ترجمانی کے لئے جو پہلا حیرت انگیز کارنامہ سرانجام دیا وہ زبان کی اختراع ہے۔ انسان زبان کے ذریعے ہی اپنا ما فی الضمیر دوسرے انسان تک پہنچاتا ہے۔ نیز اپنی بشری صلاحیتوں اور اخلاق کا اظہار کرتا ہے۔ کسی بھی قوم کی زبان اس کی روایات، روشن خیالی اور شاندار تہذیب وثقافت کی ترجمان ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی زبان کو علم سے نسبت دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے" تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کے مختلف ہونے میں اللہ کی نشانیاں ہیں اور یہ نشانیاں علم والوں کے لئے ہیں"(1) جس طرح انسان کو تمام مخلوقات میں احسن تقویم بنایا گیا ہے۔ اسی طرح کائنات کی تمام زبانوں میں سے عربی زبان کو قرآن پاک اور نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کی زبان ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ویسے تو خطہ عرب کے تمام قبیلوں کی زبان عربی تھی۔ لیکن قبیلہ قریش کی زبان کو ان میں ایک خاص مقام وفضیلت حاصل رہی۔ جس کا اظہار امیر معاویہؓ کے دربار میں ہونے والی اس گفتگو سے ہوتا ہے۔ جس میں انہوں نے اپنے درباریوں سے دریافت کیا کہ سب سے زیادہ صاف اور فصیح زبان کن لوگوں کی ہے۔ ؟" ساہ قبیلہ کے ایک شخص نے جواب دیا۔ "امیر المومنین! اس قبیلہ کی جس میں نہ تو عراقی تلاہٹ ہے، نہ بکر کا کشکشہ نہ تغلبی فشفشہ، نہ قضاعہ کی طرح ان میں غمغمہ، نہ حمیر کا طمطمانیہ گویا وہ زبان ہر قسم کی کجی اور خامی سے پاک ہے۔"

☆ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ تاریخ ومطالعہ پاکستان، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور۔

امیر معاویہؓ نے پوچھا کہ وہ کونسا قبیلہ ہے؟اس نے جواب دیا۔"وہ آپ ہی کا قبیلہ قریش ہے "۔(2)اہل عرب اپنی زبان کی وسعت کے اس وجہ سے بھی مدعی تھے کہ ان کے ہاں ہرخیال کے اظہار کے لئے موزوں الفاظ کی کثرت تھی۔جیسا کہ تلوار،صبح،اونٹ،شیراورعورتوں کے جسمانی محاسن کے لئے عربی میں سینکڑوں الفاظ موجود ہیں۔یہ صفت کسی اورزبان میں بہت کم پائی جاتی ہے۔جہاں ایک طرف الفاظ کا خزانہ اس کی وسعت کا غماز ہے وہیں دوسری طرف ایک ہی لفظ اپنے اندر معانی کا گنجینہ بھی سموئے ہوئے ہے جس سے زبان کی گہرائی ثابت ہوتی ہے۔مثلاً قرآن پاک میں بعض الفاظ کئی معانی میں استعمال ہوتے ہیں۔جیسا کہ "الذکر" مختلف سورتوں کی مختلف آیتوں میں بیس الگ الگ معنوں میں استعمال ہوا ہے۔(3)پس اس وجہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ عربی زبان کو اقوام عالم کی زبانوں میں منفرد واعلیٰ مقام حاصل ہے۔

عربی زبان کی طرح اگر ہم سرائیکی زبان پر ایک نظر ڈالیں تو یہ بھی برصغیر پاک و ہند کی قدیم ترین زبانوں میں سے ایک ہے۔یہ بھی اتنی ہی قدیم ہے۔جتنی وادی سندھ کی تہذیب، اتنی ہی پرانی ہے جتنی موئن جو دڑو اور ٹیکسلا کے کھنڈرات اور اتنی ہی مہذب وشائستہ ہے جتنے یہاں کے ثقہ اور وضعدار بزرگ۔اس زبان میں بتدریج ارتقاء اورنشو ونما بھی نظر آتا ہے یہ برصغیر کی دوسری بولیوں کی طرح وجود میں آئی منجھی اورآگے بڑھی ۔ بہاولپور کی زبان لسانیات کے اصولوں کے تمام ضابطے مثلاً ذخیرہ الفاظ کی وسعت،معانی ومطالب کی کثرت،شیرینی ورنگینی،فصاحت و بلاغت،پورے کرتی ہے۔اس کا ذخیرۂ الفاظ وسیع ہے۔ اس کا ادبی سرمایہ عالمی ادبِ عالیہ کا ہم پلہ ہے۔اس کی مثال دیوانِ خواجہ فرید(۱۸۴۵ء۔۱۹۰۱ء)ہے۔

بہاولپور کی زبان کا قدیم نام "سرائیکی" ہے۔جس کے معنی سرداروں کی زبان ہے۔یہ نام اسے اہالی سندھ نے دیا ہے۔(4)موجودہ دور میں اسے "سرائیکی" کا نام دیا گیا ہے۔جہاں تک سرائیکی زبان کی قدامت کا تعلق ہے۔بدقسمتی سے برصغیر کی قدیم تاریخ کے اکثر محققین نے دو معاملات،آریا نسل کی برتری اور سنسکرت زبان کی عظمت،کو ہمیشہ مبالغہ کی حد تک اجاگر کیا مگر علاقائی زبانوں کے بارے میں خاموشی اختیار کیے رکھی۔جبکہ خود یورپی مورخوں نے مقامی زبانوں کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھا۔برصغیر کی تاریخ میں،وادی سندھ کی تہذیب کی ۱۹۲۲ء۔۱۹۲۱ء میں دریافت نے تاریخ وتحقیق کے نئے رخ متعین کئے۔اس باب میں ڈاکٹر دانی اور ڈاکٹر رفیق مغل اور کئی دوسرے مسلمان ماہرین آثار قدیمہ نے نئی مدفون بستیاں دریافت کرکے وادی سندھ کی تہذیب کو پانچ ہزار سال قبل مسیح تک پہنچا دیا ہے۔ابتک اس کے بڑے مراکز ہڑپہ،گنویری والا (چولستان بہاولپور)اور موہنجودڑو دریافت ہوئے ہیں۔ان کی کھدائی سے دستیاب ہونے والی اشیاء میں ہمارے موضوع سے متعلق دو چیزیں نہایت ہی اہم ہیں۔ اصل انسانی ڈھانچے اور لسانی تعلق موہنجودڑو سے دریافت شدہ ڈھا

نچوں کی رپورٹ سے پتہ چلا ہے کہ ان میں " آسٹریلوی، بحر رومی، الپائنی اور منگولی گویا چار مختلف نسل کے لوگ آباد تھے۔ دریافت شدہ کھوپڑیاں آدھی سے زیادہ ایک ہی نسل کے لوگوں سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کو بحرِ رومی سے متعلق کہا گیا۔ (5) جبکہ ماہرینِ آثار قدیمہ کی انسانی ڈھانچوں سے متعلق تحقیق کے مطابق وادی سندھ میں پانچ نسلوں کی آمد کی نشاندہی ہوتی ہے۔ جس میں نیگرو، پروٹو آسٹریلائڈ، منگولیائی، رومی اور سب سے آخر میں آریائی شامل ہیں اور آریائی نسل کا اثر وادی سندھ میں سب سے کم نظر آتا ہے۔ ابتداء میں وادی سندھ کی زمین پر کاکیشیائی نسل کا غلبہ تھا۔ بعد میں رومی نسل کا اثر بھی وسیع ہو گیا۔ کاشتکاری ان کا پیشہ تھا۔ جہاں تک منگول نسل کی زبان کا تعلق ہے ۔ ان کا علاقہ برصغیر کا شمال مشرقی علاقہ مثلاً تبتی، چینی، شینا، گلگتی اور بالائی کشمیر تھا۔ جبکہ براھوی زبان کاکیشیائی نسل کی نمائندگی کرتی ہے۔ بعد میں رومی نسل کے وادی سندھ میں آجانے سے باقی نسلیں برصغیر کے دوسرے علاقوں میں نقل مکانی کر گئیں۔ تاہم رومی نسل اور ان کی زبان سے متعلق ہماری تاریخ خاموش نظر آتی ہے۔ ہماری نظر میں وادی سندھ میں رومی نسل کے ورثاء میں جنوبی پنجاب، شمالی پنجاب کی بالائی پٹی اور سندھ کے مشرقی حصے کے سرائیکی، سرحد کے لہندا اور ہندکو زبانیں بولنے والے لوگ ہیں۔ یہی اس نسل اور زبان کے وارث ہیں۔ کیونکہ لسانی شواہد اس بات کی تائید کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں کیونکہ ان کی زبان میں مصر کے شاہی خاندان سے پہلے کی زبان کے الفاظ کا پایا جانا اور "سمیری تہذیب" سے متعلق گہرے لسانی تعلق کا ہونا ہی اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اس کا وادی سندھ کی تہذیب سے ضرور کوئی تعلق تھا۔ سمیری تہذیب میں عراق کے لوگ اپنے دیوتا اشور کی وجہ سے اپنے آپ کو اشوری کہتے تھے۔ سرائیکی دراصل لفظ اسرکی ہے جو بعد میں بگڑ کر سرائیکی بن گیا۔ تحریر میں سب سے پہلے ڈاکٹر ٹرمپ نے سندھ کی معیاری زبان کو سرائیکی قرار دیا۔ اس کے بعد جارج گیریسن (۱۸۴۱ء-۱۹۵۱ء) نے اپنی کتاب "لینگوسٹک سروے آف انڈیا" (پاکستان) میں اس لفظ کو زبان کے معنوں میں استعمال کیا۔ (6) دراصل اسر دیوتا مصر اور سندھ دونوں علاقوں میں موجود تھا۔ ملتان میں اس دیوتا کی پرستش ہوتی تھی۔ اس جگہ کو " آدت" کہا جاتا تھا۔ جبکہ مصری تہذیب میں سورج دیوتا جس کشتی میں سفر کرتا اسے "مادت" کہا جاتا تھا۔ ان دونوں لفظوں میں صوتی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ مصری تہذیب میں سورج دیوتا صبح کے وقت بچہ ہوتا تو اسے "خپ را" کہتے تھے۔ جبکہ سرائیکی میں یہ لفظ بگڑ کر " کھپرا" بن گیا جو چھوٹے سانپ اور نابالغ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح مصریوں کے ہاں دوپہر کا سورج جو پانی سے نکلتا تھا وہ "را" کہلاتا تھا۔ جبکہ سرائیکی میں "رو" پانی کو کہتے ہیں۔ جبکہ شام کے دیوتا کو مصری اتم، اتوم اور تمو کہتے تھے۔ جبکہ سرائیکی میں اتو، اتلا اور اتے وغیرہ پائے جاتے ہیں۔

اس طرح سرائیکی اور سندھی میں سمیری زبان کے بہت سے الفاظ اور تراکیب مل جاتی ہیں۔ جیسا کہ

سمیری تہذیب میں " کی" کالفظ جگہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جبکہ برصغیر کے دوسرے علاقوں میں ستان، پورہ، آباد کے الفاظ کا لاحقہ جگہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح وادی سندھ میں سمیری تہذیب کالفظ " کی" کالاحقہ جگہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ پتوکی سلیمانکی، خانکی، ڈھرکی، گھوٹکی، بلوکی وغیرہ۔

سرائیکی ماہرین لسانیات کے نزدیک یہ زبان ڈراوڑی نسل کے عربوں کی اس خطہ میں آمد کے بعد آبادکاری کے نتیجہ کے طور پر معرض وجود میں آئی۔ جیسا کہ آج بھی ڈراوڑی زبان کے کئی الفاظ سرائیکی زبان میں موجود ہیں۔ مثلاً کوٹھا، ہل، جولا وغیرہ کے نام کے ساتھ "پور" کالاحقہ بھی ڈراوری زبان کی باقیات میں سے ہے۔ (7) اسی طرح سرائیکی زبان میں سنسکرت نے اپنے بہت سے الفاظ شامل کر کے اسے بہت وسیع کر دیا۔ جیسا کہ سرائیکی کے الفاظ "ڈ، ڑاں، ج، چ، گ، گ وغیرہ اسی صورت کے ساتھ سنسکرت زبان میں بھی ملتے ہیں۔ FI, OT, 27, O7, OT, 3T یہ الفاظ ڈ، ج، ڑ اور گ کے علاوہ جن پر نون غنہ کی آواز کی آمیزش ہے۔ ان کی پہچان الفاظ کے استعمال سے واضح ہو جاتی ہے۔ الفاظ ڈ، ڑ، ج، گ کی آواز زبان کے سرے سے نکلتی ہے اور الفاظ ڈ، ڑ، ی، ج، چ، گ، گاں، کی آواز تلوے اور حلق کے قریب سے نکلتی ہے۔ (8) جہاں تک سنسکرت اور سرائیکی کا تعلق ہے تو ان دونوں زبانوں میں گنتی میں بہت معمولی فرق ہے۔

سرائیکی	سنسکرت	سرائیکی	سنسکرت
ہک	ایکہ	چھی	شش
ڈو	دوی	ست	ستہ
ترے	تری	اٹھ	اشٹ
چار	چتر	نوں	نو
پنج	پنچ	ڈہ	دش

(9)

اسی طرح کھانے پینے کی اشیاء میں ایک جیسے لفظ دونوں زبانوں میں مستعمل ہیں۔ مثلاً دودھ کو سرائیکی میں ' کھیر ' کہتے ہیں۔ سنسکرت میں بھی اسے ' کھیر ' ہی کہا جاتا ہے۔ اناج کو ان جبکہ مسر، انڈا، جو، ماش، تل وغیرہ دونوں زبانوں میں ایک جیسے ہیں۔ سنسکرت اور سرائیکی کے قواعد میں مصدر اور فعل امر ایک جیسے ہیں جیسا کہ سرائیکی میں گر پڑنے کو "ڈھے پون" جبکہ سنسکرت میں "ڈھے پو" اسی طرح رونے کو "رودن" سنسکرت میں بھی " روؤن " کہا جاتا ہے۔ اسی طرح گیا کو " گیم " جبکہ سنسکرت میں " گچھم " کہلاتا ہے۔ مسلمانوں کی آمد کے

وقت وادی سندھ میں سنسکرت اور باقی زبانیں روبہ زوال تھیں اس بات کی تصدیق البیرونی کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ اس نے یہاں کی زبان کو پراکرت یا سنسکرت نہیں بلکہ "الھندیہ" کہا۔(10) عربوں کی اس علاقہ میں فاتحانہ آمد اور سکونت سے یہاں کی زبان پر بھی عربی اثرات مرتب ہوئے جیسے عربی پیاز کو "بصل" کہتے ہیں۔جبکہ سرائیکی میں "وصل" کہلاتا ہے۔اسی طرح بدھ کے اگلے روز کو سرائیکی اور عربی میں "خمیس" کہتے ہیں اسی طرح عراق کے لوگ لفظ "ہ" کی بجائے "زکو" کہتے ہیں۔جبکہ سرائیکی میں نفی کے لئے لفظ "" کو "استعمال ہوتا ہے۔اسی طرح بہاولپوری زبان سرائیکی پر سلاطین اور مغل حکمرانوں کی بدولت فارسی کے اثرات بھی ہیں۔ مثلاً "اِنجا" (یہاں) اور "اُنجا" (وہاں) اسی طرح بیت الخلاء کے لیے "جاضرور" (جائے ضرورت) عام دیہاتوں میں بھی مستعمل ہے۔(11)

جہاں تک سرائیکی زبان کے رسم الخط کا تعلق ہے۔اس سلسلے میں عرض ہے کہ موہنجوداڑو اور قلعہ ملتان سے دریافت ہونے والے قدیم رسم الخط کافی حد تک ایک جیسے ہیں۔بعد میں اس علاقے کا رسم الخط "لنڈا" کے نام سے موسوم ہوا جس کی مشابہت سے اس زبان کو "لہندا" کا نام دیا گیا۔(12) مسلمانوں کی آمد سے یہاں کے رسم الخط پر بھی اثر پڑا اور یہاں کی زبان نے سندھی کی طرح عربی رسم الخط قبول کرلیا۔اس سلسلے میں پہلی کتاب حاجی نور محمد شیر گڑھی کی ہے جو مسائل کفن دفن سے متعلق ہے اور عربی رسم الخط میں لکھی گئی ہے۔(13) البتہ اردو کے حروف تہجی سے پانچ حروف (ٻ،ڄ،ڈ،ڳ،ݨ) زیادہ اور مختلف ہیں۔(14) سرائیکی میں "ب" کے بعد "ٻ" کا حرف ہے۔جس کے الفاظ کچھ اس طرح ادا کیے جاتے ہیں۔مثلاً (ٻ) ٻکری (بکری) ٻیر (بیر) ٻلی (بلی) بوہلی (تازہ بیاہے ہوئے جانور کا دودھ)۔اسی طرح "ج" کے بعد حرف "ڄ" مستعمل ہے۔جس کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں۔ "ڄالھ (درخت) واڄا (باجا) ڄلن (چلنا) ڄان (جاننا) وغیرہ۔بالکل یہی صورت لفظ "ڳ" کی ہے اس حرف سے الفاظ ملاخطہ ہوں۔ڳجھ (گدھ) دھاڳہ (دھاگہ) ڳڑ (گڑ) ڳاٹا (گردن) ڳول (تلاش کرنا) وغیرہ" حروف شامل ہیں۔ڈ کے بعد سرائیکی میں "ڈ" کا تلفظ بالکل ہی علیحدہ بولا جاتا ہے۔جیسا کہ ڈے (دے)، وڈا (بڑا) ڈاڈا (دادا) ڈیوا (چراغ) ڈاج (جہیز) اور ڈوجا (دوسرا)۔آخری مختلف لفظ ن (ݨ) ہے۔نون غنہ کے آگے (ڑ) کا حرف لکھنے سے اس کا تلفظ صحیح ادا ہو جاتا ہے۔جیسے پاݨیں (پانی) کݨک (گندم) مݨ (کنارہ) ان حروف کی آواز صرف مقامی سرائیکی ہی ادا کر سکتے ہیں۔جبکہ دیگر حضرات کے لیے ان کی ادائیگی ذرا مشکل ہے۔جیسا کہ زمانہ قدیم میں رواج تھا کہ انسانی آبادیاں دریاؤں کے کناروں پر تھیں۔ضلع ملتان کے علاقے لیہ اور کچھی میں دریا کے کنارے مور کہیل ذات کے لوگ آباد تھے۔جن کا پیشہ کشتی رانی اور دریائی تجارت تھا۔اس دوران میں یہ لوگ حضرت لعل

عیسن (واقعہ کروڑ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کے لئے درخواست کی۔آپ نے دعا فرمائی اور لوگوں سے کہا کہ وہ دریائے سندھ سے مچھلیاں پکڑ کر کھائیں اور گزر بسر کریں۔لوگ آپ کے حکم کے بعد دریا پر گئے اور خوب مچھلیاں پکڑیں اور حضرت لعل عیسن کے اس کراماتی فعل کو ان بولوں نے امر کر دیا۔

"لعلن آیا کچھی
ہک حصہ پانی ڈو حصے مچھی" (15)

اسی طرح مغلوں کے دور میں ابوالفضل (وفات ۱۶۰۲)" کی کتاب آئین اکبری" میں ہندوستانی زبانوں کے بارے میں پنجاب کی موجودہ زبانوں میں سے صرف "ملتانی" سرائیکی کا ذکر ملتا ہے۔ (16)

جہاں تک سرائیکی کا پاکستان کی دوسری بڑی علاقائی زبانوں سے تعلق کا سوال ہے۔اس کی سب سے زیادہ ہم آہنگی سندھی زبان سے ہے۔جبکہ یہ دونوں زبانیں علیحدہ علیحدہ تشخص کی حامل ہیں۔دونوں زبانوں کے حروف ابجد، لہجے اور صوتیات کا خاصا اشتراک ہے۔اسکی وجہ ماہرین لسانیات کے نزدیک یہ ہوسکتی ہے کہ "قدیم دور میں "سندھودیس" کا اطلاق" سندھ ماتھر وادی "سندھ کے اس وسیع علاقے پر ہوتا تھا جو کشمیر سے لیکر موجودہ سندھ تک پھیلا ہوا تھا اور جس کا صدر مقام اس دور میں ملتان کے گردونواح میں ڈیرہ اسماعیل خان وغیرہ کا وہ خطہ ہے جس کو آجکل "دوآبہ" کہتے ہیں اور جس کی زبان کو ملتانی کہا جاتا ہے۔"(17)

اگر سرائیکی زبان کا پنجابی زبان سے موازنہ کیا جائے تو دونوں کی صوتیات مختلف ہیں بلکہ لب ولہجہ میں بھی نمایاں فرق ہے اور جہاں تک پنجابی زبان کے مقابلے میں سرائیکی زبان کی قدامت کا تعلق ہے۔اس ضمن میں "تاریخ ادبیات مسلمانان پاک وہند" کے مدیر عمومی سید فیاض محمود کے بقول "سرائیکی ادب بہت وسیع ہے اور غالباً سرائیکی دریائے سندھ کے طاس کی قدیم ترین زبان ہے اس کی چھوٹی بہن پنجابی نے غالباً زیادہ وسعت پائی مگر سرائیکی زبان بہت جاندار ہے۔" (18)

اگر ہم سرائیکی اور قدیم اردو ان میں مماثات کی جڑیں تلاش کرنا چاہیں تو ہمارے پاس مختلف النوع شواہد موجود ہیں۔جن کے ذریعے ہم سرائیکی اور قدیم اردو کا تعلق ثابت کر سکتے ہیں "قدیم اردو کی لغت اور سرائیکی زبان" میں شوکت مغل نے سرائیکی اور قدیم اردو زبان میں بہت زیادہ تعلق ظاہر کیا ہے انہوں نے بڑی محنت سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سرائیکی اور اردو میں بہت زیادہ تعلق ہے اور بہت سی معمولی ردوبدل کے ساتھ دونوں کے الفاظ مستعمل ہوئے ہیں۔

اردو	سرائیکی	
آس	آساں (اُمیدیں)	
آگے	اگوں (آگے)	
شاباش	شاہباش (شاباش)	(۱۹)

محمد علی صدیقی لکھتے ہیں "ملتان اور بہاولپور کے علاقے اور آندھرا پردش میں یک گونہ مناسبت بھی ہے اور سرائیکی زبان کے متعدد الفاظ سہروردی سلسلہ کے صوفیائے کرام کے ذریعہ دکن کی علاقائی زبانوں میں اس درجہ رچ بس گئے ہیں کہ دکن کی جس زبان کے لیے "قدیم اردو" کا نام تجویز کیا گیا ہے اس کے خزانہ لغت میں سرائیکی الفاظ کی بڑی ریل پیل ہے (20) "اسی طرح امیر خسرو کی نعت "خلق باری" میں نصف سے زیادہ الفاظ سرائیکی کے ہیں جس کا مطلب ہے کہ انہوں نے اپنی شاعری اور تبلیغ اسلام کے لیے ملتانی (سرائیکی) زبان سے کام لیا۔ سرائیکی زبان کے محقق شوکت مغل نے ڈاکٹر جمیل جالبی کی کتاب "قدیم اردو لغت" کے مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ قدیم اردو کے گیارہ ہزار الفاظ میں سے تقریباً انیس سو الفاظ سرائیکی زبان سے تعلق رکھتے ہیں دوسرے لفظوں میں لغت کا تقریباً سترہ فیصد حصہ سرائیکی الفاظ پر مشتمل ہے "(21) اس سے یہ بات یقینی ہو جاتی ہے کہ دیگر زبانوں کی طرح سرائیکی زبان نے بھی اردو زبان کی ترویج و اشاعت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

سرائیکی زبان نرمی اور مٹھاس میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ "ابا سائیں"، "جی سائیں" اور "خان سائیں" جیسے الفاظ کا استعمال عام ہے۔ ان الفاظ میں نیاز مندی، محبت اور افتخار کا مفہوم بھی شامل ہے۔ اسی طرح بڑے بھائی، بہنوں کو "ادا" اور "ادی" یا "کاکا" "کاکی" کہنا نہایت سلیس اور باوقار معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح سرائیکی زبان کے اندر جتنا ذخیرہ الفاظ موجود ہے کسی اور زبان میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ سرائیکی زبان میں ہر چیز، ہر وقت اور ہر نوعیت کے لیے اتنے الفاظ موجود ہیں جن کا نعم البدل دوسری علاقائی زبانوں میں نہیں ملتا۔ مثلاً طلوع آفتاب کے وقت کے لیے اور اسکے مختلف مراحل کے لیے سرائیکی میں جتنے الفاظ ہیں وہ کسی اور دوسری زبان میں نہیں جیسا کہ۔

۱۔ وڈا ویلا	۲۔ نور پیر دا ویلا	۳۔ نور حضور دا ویلا	۴۔ بھاگ سہاگ دا ویلا
۵۔ ککڑ بانگ دا ویلا	۶۔ چڑی چونگی دا ویلا	۷۔ پرا با کھ دا ویلا	۸۔ پرا پھٹی دا ویلا
۹۔ فجر ویلا	۱۰۔ تارا ابھرے دا ویلا	۱۱۔ فجر مردان	۱۲۔ نماز ویلا

کے مختلف الفاظ کا ذخیرہ موجود ہے۔ اسی طرح بخار کیلئے:

۱۔مروڑاے ۲۔تپ اے ۳۔کوسا اے ۴۔وارے دااے
۵۔ترہائی داتپ اے ۶۔ہڈ بھنیندے پئن ۷۔لنگیں وچ لولھ اے ۸۔لنگ تتے ہن
۹۔لنگ ترٹڑے پئن ۱۰۔لنگ بھنیندے پئن ، وغیرہ جیسے الفاظ موجود ہیں۔ جو دوسری علاقائی زبانوں میں موجود نہیں ہیں۔اسی طرح کسی زبان کی وسعت اور قدامت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ وہ زبان اپنے مادہ مخرج کو مختلف الفاظ میں کس طرح قائم رکھتی ہے۔جیسا کہ قدیم زبانوں میں وٹو، دیاؤس۔ڈیوائن کالفظ۔نورِ مطلق یا آسمانی نور کے لیے استعمال ہوتا تھا۔سرائیکی میں یہ لفظ "ڈیوا" ہندی میں "دیپ" اور اردو میں "دیا" کی صورت میں موجود ہے۔سرائیکی میں ڈیوے کی اصل "ڈ" ہے۔اس لفظ کے مادہ کو ذہن میں رکھ کر ان الفاظ کا جائزہ لیں جو روشنی کا مفہوم ادا کرتے ہیں مثلاً ۱۔دن کو "ڈیہنہ" ۲۔دنوں کو "ڈیہاڑے" ۳۔نظر آنے کو "ڈیکھیں، ڈٹھی، ڈیہدیں، ڈکھے، ڈکھاویں، ڈیکھدیں، ڈکھاون، ڈکھوا" جیسے الفاظ موجود ہیں "ڈ" کا مادہ "ڈیوے" میں جہاں روشنی کا مفہوم ظاہر کرتا ہے۔وہاں ہر چیز جو روشنی میں دیکھی جاسکتی ہے اس کے لیے "ڈ" ان الفاظ میں موجود ہے۔اسی طرح آگ کو سرائیکی میں "بھا" کہا جاتا ہے۔اسی طرح آگ سے متعلق الفاظ میں یعنی آگ کا عنصر موجود ہے۔

مثلاً ۱۔بھٹہ ۲۔آگ جلانے والی کو "بھا بکھائی" ۳۔جو مٹی آگ سے جل جائے اسے "بھٹور" کہتے ہیں۔ ۴۔زیادہ آگ کو "بھانبھڑ" ۵۔مرد آگ لگانے والا "بھٹیارا" ۶۔عورت آگ جلانے والی "بھٹیارن" "جیسے الفاظ موجود ہیں۔اس طرح ان مثالوں سے سرائیکی زبان کی وسعت واضح ہوتی ہے۔

سرائیکی زبان فصاحت وبلاغت میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔فصاحت وبلاغت کے لغوی معنوں میں خوش کلامی، خوش بیانی اور برمحل و برموقع گفتگو کرنا شامل ہے۔جبکہ اصطلاحی معنوں میں یہ الفاظ وہاں استعمال ہوتے ہیں۔جہاں کم الفاظ میں اپنا مافی الضمیر بیان کرنا مقصود ہو۔اس حوالے سے سرائیکی زبان میں ایسے الفاظ واشعار کی ایک طویل فہرست ہے۔جو اس دعویٰ (۱۹۰۱ء-۱۸۴۵ء) پر دلیل ہے۔جیسا کہ خواجہ غلام فریدؒ (۱۸۴۵-۱۹۰۱) کا ایک سربراہ ریاست کو لکھے جانے والے سبق آموز اور مختصر ترین خط کا ذکر بے جانہ ہوگا جس میں زیر، زبر اور پیش کا اس سے بہتر استعمال ممکن ہی نہیں اس خط میں آپ نے ایک غریب ملازم کی سفارش کم اور سربراہ ریاست کی فہمائش زیادہ کی ہے متن ملاحظہ ہو۔

"صادق! زیر بن، زبر نہ بن، متاں پیش پوندی ہووی.........! فرید" (22)

اسی طرح خواجہ فرید نے ان اشعار میں وحدت الوجود کے ایک طویل اور مشکل مسئلہ کو چند الفاظ میں اس خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

بے صورت صورت اولے
کر ناز ادا گھنڈ کھولے
ہک ہے ہک ہے ہک ہے ہک دی دم دم سِک ہے
ہک دے ہر ہر جاوچ دیرے کیا اُچ ہے کیا جھِک ہے

اسی طرح خواجہ فریدؒ دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کرتے ہوئے اپنایت کے ساتھ دوستانہ انداز میں مشورہ دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

جیون دے ڈیہنہ ڈھائی او یار
سٹ گھت فخر وڈائی او یار

اسی طرح موت سے قبل وقت نزاع کی حالت خواجہ فریدؒ کے اشعار ملاحظہ ہو۔

گزریا ویلہا کھلن ہسن دا
آیا وقت فرید چلن دا
اوکھا ویلہا دوست ملن دا
جان لباں تے آندی اے

بیشتر سرائیکی الفاظ میں اتنی جامعیت ہے کہ وہ کسی بھی موقع کی منظر کشی جذبات کے ساتھ بیان کر سکنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور اپنے معنی کے اعتبار سے اتنے برمحل ہیں کہ ان کا متبادل کسی اور زبان میں میسر نہیں جیسا کہ:

تتڑی دی پر کوئی ڈوہ تاں ڈے
بت بت نہ کر گیتاں نہ کھا

"بت بت کرن' گیتاں کھاون' کے الفاظ جس عمل کو ظاہر کرتے ہیں اس کا اظہار صرف سرائیکی زبان ہی میں ممکن ہے۔ کسی اور زبان میں نہیں۔ محاورات اور ضرب الشال کو شعر و ادب میں استعمال کرنا بھی فصاحت کے زمرہ میں آتا ہے۔ اس میدان میں بھی سرائیکی زبان میں کوئی کمی نہیں جیسا کہ:

کیا تھیا جو تیڈی نہ بنی
تھیسی اوہا جیڑھی رب گنی (فریدؒ)
کجھ تاں ڈسا کہیں گال ہے
ایں دے اجائی دے لانہ لے (خرم)
عملیں باجھوں رلدی مریں
جنگلیں موتیں دے کہیں جنازے (جانباز جتوئی)

اس میں کوئی شک نہیں کہ عربی زبان کو بلاغت میں جو فضیلت حاصل ہے وہ کسی اور زبان کا مقدر نہیں۔ لیکن برصغیر کی علاقائی زبانوں میں سرائیکی کو اپنی بلاغت پر بجا ناز ہے۔ خاص کر سرائیکی زبان کے مصدر میں اتنی لچک ہے جو تین صورتوں یا اس سے بھی زیادہ میں ظاہر ہوتی ہے اور اپنے اصل لفظ کو ہی گھٹا بڑھا کر نئے معنی ظاہر کرتی ہے مثلاً

	پہلی صورت	دوسری صورت	تیسری صورت
سرائیکی	لکھن	لکھاون	لکیھن
اردو میں	لکھنا	لکھانا	لکھا جانا

اس کے علاوہ صرف زیر، زبر اور پیش کے فرق سے مصدر کی تینوں صورتیں ظاہر ہو جاتی ہیں اور معنی بھی بدل جاتے ہیں جیسا کہ

بَھجن	دوڑنا
بُھجن	بھُونا جانا
بھِجن	بھیگا جانا

سرائیکی زبان کی بلاغت کی مزید وضاحت ای۔ او برائن (E.O.Brien) نے مندرجہ مثال سے واضح کی ہے۔ مثلاً

مریساں	Maresan	(I will Beat)
مریسیں	Maresen	(Thou will Beat)
مریسی	Maresi	(He will Beat)
مریسوں	Maresun	(We will Beat)
مریسو	Mareso	(You will Beat)
مریسن	Maresin	(They will Beat) (۲۳)

الختصر "سرائیکی" زبان پاکستان کی ایک قدیم اور وسیع زبان ہے جو آج بھی اس کے چاروں صوبوں میں کہیں اپنی اصل شکل میں، کہیں علاقائی اثرات سے قدرے بدلی ہوئی شکل میں ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ یہ زبان ان اضلاع میں خالصتاً موجود ہے جو اس کے مرکز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں بہاول پور، رحیم یار خان، ملتان، مظفر گڑھ، ڈیرہ غازی خان، ڈیرہ اسماعیل خان، میانوالی، جھنگ وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن یہ زبان اپنے مرکز سے باہر بھی پاکستان کے ہر صوبے میں ہر جگہ سمجھی اور بعض مقامات پر جزوی طور پر مادری زبان کی حیثیت سے بولی جاتی ہے۔ مثلاً صوبہ بلوچستان کے علاقے جھٹ پٹ، چھپیا پٹ، ڈھاڈھر اور سبی میں سرائیکی زبان مروج

ہے۔اسی طرح صوبہ سرحد کے اضلاع بنوں، کوہاٹ اور ڈیرہ اسماعیل خان میں بھی سرائیکی ہی لوگوں کی مادری زبان ہے۔ اس کے علاوہ ہزارہ میں بھی سرائیکی "ہندکو" کے نام سے رائج ہے۔ جس میں علاقائی اثرات بھی موجود ہیں۔ پشاور کے قدیم باشندے اور بندر باسی سرائیکی بولتے ہیں۔ اس طرح صوبہ سندھ میں نوابان تالپور کا علاقہ، سندھ کے بلوچ قبائل اور شکار پور کے باسی وہاں کے داد پوترے اور کلہوڑے بھی اسی زبان کے شیدا ہیں۔ سندھ میں یہ زبان "سرائی" کے نام سے بھی مشہور ہے۔

حاصل کلام:

زبان کو، جیسا جدید دور کے روشن خیال ماہرین لسانیات کا خیال ہے، لسانی تعصب کا آلہ کار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ کوئی بھی زبان جو ہزارہا سال کے تاریخی ارتقاء سے ابھری ہو اور استر داد زمانہ کی ساری ٹھوکریں برداشت کر کے بھی سخت جان ثابت ہوئی ہو، تاریخی، لسانی، ابلاغی، معاشرتی اور ثقافتی اعتبار سے ایک مکمل زبان ہوتی ہے۔ سرائیکی زبان کے سلسلے میں مندرجہ بالا تاریخی شواہد اس کے زندہ زبان ہونے کا ثبوت ہیں اسے بھی برصغیر کی دیگر زبانوں بالخصوص پاکستانی زبانوں کی صف میں اسکا جائز مقام ملنا چاہیے یہ اس کا حق ہے اور حق تلفی کی دیگر مسترد شدہ روایات کی طرح یہ لسانی روایت بھی توڑنا ہوگی، تاکہ ملک عزیز میں سرائیکی زبان بھی ترقی کی راہ پر گامزن ہو کر لسانی اور ادبی خدمات بہر طور انجام دینے کی مستحق ہو اور قومی یک جہتی کو فروغ ملے۔

حوالہ جات

1- القرآن، سورۃ الروم، ۳۰، آیت ۲۲۔

2- استاد احمد حسن زیارت، تاریخ ادب عربی، مترجم عبدالرحمٰن طاہر صورتی، لاہور، ۱۹۶۱ء، ص ۶۳۔

3- علامہ جلال الدین سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، جلد اول، مترجم محمد حلیم انصاری، کراچی، سن ندارد، ص ۴۳۱

4- کائنات، سہ روزہ، استقلال نمبر، بہاولپور، اگست ۱۹۵۵ء، ص ۱۱۔

5- محمد ادریس صدیقی، وادی سندھ کی تہذیب، کراچی، ۱۹۵۹ء، ص ۲۰۶۔

6- G.A. Grierson, Linguistic Survey of Pakistan, Vol -1, Lahore , (N.D) p.137

7- جاوید احسن خان، سرائیکی ثقافت، ملتان، ۱۹۹۵ء، ص ۵۳۔

8- مجلّہ، سرائیکی، سہ ماہی، بہاولپور، لاہور، اپریل ۱۹۶۷ء، ص ۳۱۔

9- ایضاً ص ص، ۳۲، ۳۳۔

10- ابوریحان البیرونی، کتاب الہند، مترجم سید اصغر علی، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ص ۵۔۴

11- نذیر علی شاہ، صادق نامہ، لاہور، ۱۹۷۱ء ، ص ۳۷۔

12- محمد اسلم رسول پوری، مجلّہ سرائیکی، سہ ماہی، سلور جوبلی نمبر، بہاولپور، مارچ ۱۹۹۰ء، ص ۸۹۔

13- ایضاً ص ۹۰۔

14- مجلّہ، العزیز، ماہنامہ، بہاولپور، جولائی ۱۹۴۲ء ص ۹۔

15- جاوید احسن خان، بحوالہ سابقہ، ص ۴۵۔

16- ابوالفضل، آئین اکبری، مترجم مولوی محمد فدا علی، جلد دوم، لاہور، ۱۹۸۸ء ص ص ۴۸۔۱۰۴۸۔

17- شوکت مغل، اردو میں سرائیکی کے ان مٹ نقوش، ملتان، ۱۹۹۰ء ، ص ص ۱۴۔۱۳۔

18- ایضاً، ص ۱۸۔

19- شوکت مغل، قدیم اردو لغت اور سرائیکی زبان، ملتان، ۱۹۸۷ء، ص ۱۰۔

20- ایضاً، ص ۱۰۔

21- ایضاً، ص ۱۰۔

22- قمر الزماں عباسی، بغداد سے بہاولپور تک، لاہور، ۲۰۰۲ء ، ص ۱۰۰۔

23- E.O. Brien , Glassory of the Multani Language, Lahore , 1880, p . vi.